International Journal of Languages, Literature and Linguistic Research (IJLLR)
(An International Peer-Reviewed (Refereed) Journal)
Website-https://ijllr.nobleinkresearch.com/1
Email- editor@ijllr.nobleinkresearch.com
ISSN Online: 3140-0027

اردو میں ترادفِ کامل اور ترادفِ نسبی:

عربی لسانی روایت، جدید علمِ دلالت اور اردو تنقید و لغت نویسی کی روشنی میں

Absolute and Near Synonymy in Urdu: In the Light of the Arabic Linguistic Tradition, Modern Semantics, and Urdu Criticism and Lexicography

Mohd Junaid Alam[1], Rasheda Khatoon[*]

Department of Urdu
Govt. Degree College Budaun-243601, Uttar Pradesh, India
[*]***Corresponding author E-mail:*** - rasheda148@gmail.com

Received: 10 August 2026, Revised: 25 August 2026, Accepted: 05 September 2026, Available Online: 30 September, 2026
https://doi.org/10.68219/86vfq738

خلاصہ

یہ مقالہ اس سوال کی جانچ کرتا ہے کہ اردو میں دو الفاظ کیا ہر اعتبار سے ایک دوسرے کا مکمل بدل ہو سکتے ہیں (ترادفِ کامل)، یا قریب المعنی الفاظ کے درمیان ہمیشہ کوئی نہ کوئی معنوی، اسلوبی یا استعمالی فرق باقی رہتا ہے (ترادفِ نسبی)۔ اس کے لیے تین دائروں سے استناد کیا گیا ہے: قدیم عربی لغوی روایت (ابن جنی، ابن فارس، ثعلب، عسکری، خطابی، راغب اور جرجانی)، جدید علمِ دلالت (سوسیور، لیونز، کروز، لیچ اور پالمر)، اور اردو تنقید و لغت نویسی (مولوی عبدالحق اور شمس الرحمن فاروقی کے مباحث)۔ مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ عربی روایت میں نزاع ترادف کے وجود پر نہیں بلکہ تساوی کی حد پر رہا ہے؛ جدید علمِ دلالت کامل ترادف کو نادر قرار دیتا ہے؛ اور اردو لغت نویسی و تنقید میں مرادف ایک ناگزیر قاموسی وسیلہ تو ہے مگر برابری کا اعلان نہیں۔ فاروقی کے اس اعتراض کو بھی پیشِ نظر رکھا گیا ہے کہ ترادف کی مطلق نفی ہر مقصد کے لیے کافی نہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ اردو میں ترادف کی غالب صورت نسبی ہے، اور کامل ترادف کی جو مثالیں ملتی ہیں وہ مخصوص سیاقات تک محدود ہیں۔ مقالہ منتخب مصنفین اور متون تک محدود ہے، اور بعض اقتباسات ثانوی مآخذ کے واسطے سے آئے ہیں۔

تمہید

اردو کا ذخیرۂ الفاظ کئی زبانوں کی تہوں سے بنا ہے۔ شمس الرحمن فاروقی نے اردو لغت نگار کے لیے جن زبانوں سے واقفیت کو لازم ٹھہرایا ہے وہ برج، اودھی، ہریانی اور راجستھانی جیسی ہند آریائی بولیاں ہیں، اور ان کے ساتھ فارسی، عربی، سنسکرت اور پنجابی، اور یہی فہرست اس امر کی نشان دہی کے لیے کافی ہے کہ اردو کے الفاظ کن مختلف سرچشموں سے آئے ہیں۔ ایسی زبان میں ایک ہی تصور کے لیے ایک سے زیادہ لفظ کا موجود ہونا فطری ہے، اور اسی سے وہ سوال پیدا ہوتا ہے جس پر یہ مقالہ قائم

ہے: کیا اردو میں دو الفاظ کبھی ہر اعتبار سے ایک دوسرے کا مکمل بدل ہو سکتے ہیں، یا یہاں جو کچھ ہے وہ قریب المعنی الفاظ کا ایسا سلسلہ ہے جس میں ہر لفظ کی اپنی مخصوص جگہ ہے؟ پہلی صورت ترادفِ کامل (Absolute Synonymy) کہلاتی ہے اور دوسری ترادفِ نسبی (Near Synonymy)۔ مقالے کا مدعا یہ ہے کہ اردو میں ترادف کی غالب صورت نسبی ہے، اور اس کے لیے تین طرح کا استناد برتا جائے گا: عربی لغوی روایت کا، جس نے اردو کو اپنے بیشتر علمی الفاظ کے ساتھ اپنے مباحث بھی دیے؛ جدید علمِ دلالت کا، جس نے یہی مسئلہ نئے آلات کے ساتھ اٹھایا؛ اور اردو کی اپنی تنقیدی و لغوی روایت کا، بالخصوص مولوی عبدالحق اور فاروقی کے مباحث کا۔ عربی روایت یہاں موضوع نہیں بلکہ دلیل ہے۔ مقالے کا دائرہ منتخب مصنفین اور منتخب متون تک محدود ہے، اردو ذخیرۂ الفاظ کا کوئی شماریاتی احاطہ مقصود نہیں، اور روایتوں کے درمیان جو مماثلتیں دکھائی گئی ہیں وہ مشترک مسئلے کی مماثلتیں ہیں، کسی تاریخی اثر پذیری کا دعویٰ نہیں۔

عربی لغوی روایت میں ترادف

عربی لغوی روایت میں اس مسئلے پر گفتگو کا آغاز کسی مسلّم اصول سے نہیں ہوتا۔ ابو الفتح عثمان بن جنی نے الخصائص کے باب «في تلاقي المعاني على اختلاف الأصول والمباني» میں اس واقعے کو تسلیم کیا کہ ایک معنی کے لیے کئی نام مل جاتے ہیں، مگر ان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ہر نام کے اصل کی طرف پلٹتے ہیں «: وذلک أن تجد للمعنى الواحد أسماء كثيرة، فتبحث عن أصل كل اسم منها فتجده مفضي المعنى إلى معنى صاحبه»۔ ان کی توجہ فہرستِ مترادفات بنانے پر نہیں بلکہ اس پر ہے کہ الگ الگ ساختوں میں ڈھلے ہوئے الفاظ کے اصول معنوی طور پر کہاں ملتے ہیں، اس لیے اس عبارت کو ترادفِ کامل کا قطعی اثبات سمجھنا درست نہ ہوگا۔ ابو الحسین احمد بن فارس نے الصاحبي کے باب «الأسماء كيف تقع على المسميات» میں سیف، مہنّد اور حسام کی مثال دے کر اپنا موقف صاف بیان کیا «: إن الاسم واحد وهو السيف، وما بعده من الألقاب صفات، ومذهبنا أن كل صفة منها فمعناها غير معنى الأخرى»۔ اسی مقام پر وہ مخالف رائے بھی نقل کرتے ہیں کہ ان الفاظ کا لفظی اختلاف ایک ہی معنی کی طرف لوٹتا ہے، پھر ایک دوسرے گروہ کا قول لاتے ہیں کہ کوئی اسم یا صفت ایسی نہیں جس کا معنی دوسرے سے مختلف نہ ہو، اور اس پر کہتے ہیں کہ یہی ہمارا قول ہے اور یہی ہمارے شیخ ابو العباس احمد بن یحییٰ ثعلب کا مذہب ہے۔ قعد اور جلس کے بارے میں ابن فارس کا اپنا استدلال یہ ہے کہ قام ثم قعد اور کان مضطجعاً فجلس کے استعمال سے معلوم ہوتا ہے «فيكون القعود عن قيام، والجلوس عن حالة هي دون الجلوس»، اور یہ کہ «على هذا يجري الباب كله»۔ اسی بحث کی زندہ شہادت وہ روایت ہے جو سیوطی نے المزهر میں عزالدین بن جماعہ کے واسطے سے قاضی ابو بکر بن العربی کی سند پر ابو علی فارسی سے نقل کی ہے: ابو علی کہتے ہیں کہ میں حلب میں سیف الدولہ کی مجلس میں تھا، اہلِ لغت کی ایک جماعت موجود تھی اور اس میں ابن خالویہ بھی تھے؛ ابن خالویہ نے کہا کہ مجھے سیف کے پچاس نام یاد ہیں، تو ابو علی نے مسکرا کر کہا کہ مجھے تو ایک ہی نام یاد ہے، یعنی السیف؛ ابن خالویہ نے کہا کہ پھر المہنّد اور الصارم وغیرہ کہاں گئے، تو ابو علی نے کہا کہ یہ صفات ہیں۔[1]

اس بحث کو دلیل کی سطح پر ابو ہلال عسکری اور ابو سلیمان خطابی نے، اور کلام کی سطح پر عبد القاہر جرجانی نے آگے بڑھایا۔ عسکری نے الفروق اللغوية کے مقدمے میں اپنی کتاب کا محرک یہ بتایا کہ علوم کے ہر فن میں کتابیں لکھی گئیں سوائے اس کے کہ «الفرق بين معانٍ تقاربت حتى أشكل الفرق بينها»، اور اس کے لیے انہوں نے یہ عقلی اصول پیش کیا کہ واضعِ لغت حکیم ہے اور بے فائدہ بات وضع نہیں کرتا، چنانچہ «كل اسمين يجريان على معنى من المعاني وعين من الأعيان في لغة واحدة فإن كل واحد منهما يقتضي خلاف ما يقتضيه الآخر وإلا لكان الثاني فضلا لا يحتاج إليه»۔ یہ استدلال لفظوں کے استعمال کا مشاہدہ نہیں بلکہ واضعِ لغت کی حکمت سے نکلنے والا نتیجہ ہے، اور یہ فرق سوسیور سے موازنے میں کام آئے گا۔ خطابی نے بیان إعجاز القرآن میں یہی بات بلاغت کی زبان میں کہی کہ بلاغت کا ستون ہر قسم کے لفظ کو «موضعه الأخص الأشكل به» میں رکھنا ہے، اور کلام میں ایسے متقارب المعنی الفاظ ہیں، مثلاً علم اور معرفت، حمد اور شکر، بخل اور شح، جنہیں اکثر لوگ برابر سمجھتے ہیں، حالانکہ «لكل لفظة منها خاصية تتميز بها عن صاحبتها في بعض معانيها»؛ یہ ترادفِ نسبی کی قدیم ترین عربی تعبیروں میں سے ایک ہے کیونکہ اس میں اشتراک بھی تسلیم ہے اور امتیاز بھی۔ راغب اصفہانی نے المفردات في غريب القرآن کے مقدمے میں ایک ایسی مستقل کتاب کا ارادہ ظاہر کیا جو «الألفاظ المترادفة على المعنى الواحد، وما بينها من الفروق الغامضة» پر ہو، اور مثال میں قلب، فؤاد اور صدر کا ذکر کیا؛ ان کے عملی طریقے کی مثال خشیت ہے جس کے بارے میں وہ لکھتے ہیں «الخشية خوف يشوبه تعظيم، وأكثر ما يكون ذلك عن علم بما يخشى

منہ››، اور اسی سے آیت ‹‹إنما یخشی اللہ من عبادہ العلماء ›› میں خشیت کو علما کے ساتھ خاص سمجھتے ہیں۔ یہ فرق خود بحث سے بالاتر نہیں رہا: رشید رضا نے راغب کی اس قید کو ہر شاہد پر منطبق نہ پا کر خشیت کو خوف فی محل الامل قرار دیا، اور اس اختلاف سے معلوم ہوتا ہے کہ فروق کی تعیین اجتہادی عمل رہی ہے، کوئی قطعی فہرست نہیں۔ جرجانی نے ترادف پر مستقل بحث نہیں کی، اس لیے انہیں کسی موقف کا نمائندہ بنانا درست نہیں، مگر دلائل الإعجاز کا نظریۂ نظم، جس کے مطابق ‹‹لا معنی للنظم غیر توخي معاني النحو فیما بین الکلم››، یہ بتاتا ہے کہ کلام کی دلالت الفاظ کے باہمی تعلق سے بنتی ہے، اس لیے لغت میں قریب المعنی پائے جانے والے دو الفاظ میں سے کون سا کسی خاص ترکیب میں مطلوب ہے، یہ الگ سوال ہے۔ ان سب کو جمع کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ قدیم عربی روایت میں نزاع ترادف کے وجود پر نہیں بلکہ تساوی کی حد پر تھا، اور یہ حد تین بنیادوں پر جانچی گئی: ابن فارس، ثعلب اور عسکری کے ہاں وضعِ لغت، خطابی اور راغب کے ہاں استعمال کا مخصوص دائرہ، اور جرجانی کے ہاں سیاقِ کلام اور نظم۔[۲]

جدید لسانیات اور مغربی علمِ دلالت

جدید لسانیات میں یہی مسئلہ فردینان دے سوسیور کے یہاں نظاماتی زاویے سے سامنے آتا ہے۔ Course in General Linguistics میں وہ کہتے ہیں کہ ایک ہی زبان کے اندر قریبی خیالات ادا کرنے والے تمام الفاظ ایک دوسرے کو باہم محدود کرتے ہیں، چنانچہ redouter، craindre اور avoir peur جیسے مترادفات کی قدر (Value) صرف ان کے باہمی تضاد سے ہے، اور اگر redouter موجود نہ ہو تو اس کا سارا مفہوم اس کے حریفوں کی طرف چلا جائے گا؛ اسی سلسلے میں وہ انگریزی sheep اور فرانسیسی mouton کی مثال دیتے ہیں کہ دونوں کا مفہوم ایک ہے مگر قدر ایک نہیں، کیونکہ انگریزی میں sheep کے پہلو میں mutton بھی موجود ہے۔ عسکری سے اس کی مماثلت واضح ہے، مگر اسے مماثلت ہی رہنا چاہیے، ہم رشتگی نہیں: عسکری کا استدلال واضعِ لغت کی حکمت سے اخذ ہونے والا اصولی مقدمہ ہے، جبکہ سوسیور کے یہاں فرق کسی پیشگی مقدمے سے نہیں بلکہ نظام کے اندر الفاظ کے باہمی تعلق سے پیدا ہوتا ہے۔ نتیجہ ایک ہے، راستے الگ ہیں۔[۳]

سوسیور کے بعد علمِ دلالت نے ترادف کی تعریف اور درجہ بندی کی طرف قدم بڑھایا۔ لیونز کے یہاں کامل ترادف کی تین شرطیں ہیں: دونوں الفاظ کے تمام معنی یکساں ہوں، وہ تمام سیاقات میں ایک دوسرے کی جگہ آ سکیں، اور معنی کے تمام پہلوؤں میں، خواہ وہ بیانیہ ہوں یا غیر بیانیہ، برابر ہوں؛ اور ان کے نزدیک ایسے الفاظ بہت نادر ہیں۔ اسی سے ملتی جلتی رائے اُلمن سے منسوب ہے کہ مکمل ترادف ایک ایسی نادر چیز ہے جس کی عیاشی زبان کو راس نہیں آتی، اور کروز نے Lexical Semantics میں لکھا کہ زبانیں کامل مترادفات سے ایسے ہی نفرت کرتی ہیں جیسے فطرت خلا سے۔ کروز نے مترادفات کی دو قسمیں الگ کیں: ادراکی مترادفات (Cognitive Synonyms)، جنہیں جملے میں ایک دوسرے کی جگہ رکھنے سے صدق کی شرائط نہیں بدلتیں مگر اظہاری معنی، اسلوب یا لفظی رفاقتیں بدل سکتی ہیں، اور قریب المعنی الفاظ (Plesionyms) ، جنہیں بدلنے سے صدق کی شرائط بھی بدل جاتی ہیں مگر جملے معنوی طور پر قریب رہتے ہیں۔ جیفری لیچ کی Semantics: The Study of Meaning معنی کو سات طبقات میں تقسیم کرتی ہے: تصوراتی، ضمنی، سماجی، جذباتی، منعکس، رفاقتی اور موضوعی۔ ایف۔ آر۔ پالمر کی Semantics میں کہا گیا ہے کہ کوئی دو الفاظ ایک ہی معنی نہیں رکھتے، اور مترادفات کے فرق کو پانچ طریقوں میں بیان کیا گیا ہے: بولیوں کا اختلاف، اسلوب، جذباتی یا تحسینی و تنقیصی معنی، لفظی رفاقت کی پابندی، اور یہ کہ بہت سے الفاظ معنی میں قریب ہوتے ہیں یا ان کے معنی ایک دوسرے پر چڑھ جاتے ہیں؛ اور وہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ دوسری زبانوں سے لفظ لینے نے مترادفات کے نظام کو مالا مال کیا ہے۔ یہ آخری بات اردو کے لیے خاص طور پر برمحل ہے، کیونکہ جس زبان کا ذخیرہ اتنی زبانوں سے بنا ہو وہاں یہی سبب سب سے زیادہ کارفرما ہوگا۔ اور ان تصورات کی قدر اس میں ہے کہ وہ قدیم عربی مباحث کو نئی زبان دے دیتے ہیں: خطابی کا موضعِ اخص کروز کے یہاں لفظی رفاقت اور استعمال کی حدود بنتا ہے، اور راغب کا خشیت والا فرق لیچ کے جذباتی اور ضمنی معنی کے دائرے میں آتا ہے۔[۴]

اردو تنقید و لغت نویسی میں ترادف

اردو میں یہ بحث کھل کر شمس الرحمن فاروقی کے مضمون "اردو لغات اور لغت نگاری" میں سامنے آتی ہے، جس کے مطابق اردو کے قدیم لغت نگاروں نے لغت نگاری کے تقاضوں پر بحث نہیں کی: میر علی اوسط رشک کی نفس اللغۃ میں اردو الفاظ کے معنی فارسی میں اور اوحد الدین بلگرامی کی نفائس اللغات میں اردو الفاظ کے فارسی اور عربی مرادفات بیان کیے گئے ہیں۔ مولوی عبد الحق نے اس روش پر گرفت کی، اور فاروقی کی نقل کے مطابق لکھا کہ ہماری لغات میں عموماً لفظ کی تعریف نہیں دی جاتی بلکہ اکثر ہر لفظ کے سامنے کئی کئی مرادفات لکھ دیے جاتے ہیں، اور ایک ناواقف شخص کے لیے یہ معلوم کرنا دشوار ہوتا ہے کہ ان میں سے مترادف کہاں تک اس لفظ کا ہم معنی ہے یا سیاق و سباق کی رو سے ان معانی میں کون سا ٹھیک بیٹھتا ہے۔ یہ اعتراض بجائے خود ترادفِ نسبی کا اعتراف ہے، کیونکہ اگر مرادفات ہر اعتبار سے برابر ہوتے تو انتخاب کی مشکل پیدا ہی نہ ہوتی۔ فاروقی نے بحث کو اور آگے بڑھایا: ان کے نزدیک لغت نگار کو معنی، مرادف اور تعریف کے تفاعل الگ الگ رکھنے چاہییں؛ بعض الفاظ کا مرادف دیے بغیر چارہ نہیں (مثلاً شب کے لیے رات)، اور بعض کے لیے مرادف غیر ضروری بلکہ نقصان دہ ہے۔ مرادف کے مسئلے پر ان کی مثالیں اردو کی صورتِ حال کو نہایت صاف دکھاتی ہیں: باپ کا مرادف اب ہے مگر باپ کی جگہ اب استعمال نہیں ہو سکتا؛ دروازہ کا مرادف باب ہے مگر دروازہ کی جگہ باب بہت کم استعمال ہو سکتا ہے؛ دیدہ آنکھ کا مرادف ہے بھی اور نہیں بھی، کیونکہ مجرد دیدہ اردو میں آنکھ کے معنی میں نہیں آتا بلکہ مرکب شکلوں میں آتا ہے، اور نین اور چشم آنکھ کے صحیح مرادفات ہیں مگر نین اب متروک ہے؛ اور آئندہ اور مستقبل کو وہ ایک نہیں مانتے کیونکہ آئندہ اوراق میں جیسے استعمال میں آئندہ کے وہ معنی ہیں جو مستقبل کے نہیں۔ محاورے کے سلسلے میں وہ لکھتے ہیں کہ آب بہ معنی چمک یا کاٹ محاورہ نہیں، لیکن آبِ تیغ کھانا یا آبِ تیغ پینا محاورہ ہے، اور اسی لیے تلوار کا زخم کھانے کے معنی میں تلوار کا پانی پینا نہیں کہا جا سکتا، یعنی محاورے کی ایک پہچان یہ بھی ہے کہ اس کا لفظی ترجمہ اس کی جگہ نہیں لے سکتا۔ بال کے مرادفات پر بحث کرتے ہوئے وہ پوچھتے ہیں کہ رونگٹے کھڑے ہو جانا کی جگہ روئیں یا بال کھڑے ہو جانا کہاں کی اردو ہے، رواں رواں دعا دیتا ہے کی جگہ بال بال دعا دیتا ہے کس نے لکھا ہے، اور بال بال قرض میں بندھا ہے کی جگہ رونگٹا رونگٹا قرض میں بندھا ہے کہاں کی بولی ہے۔ یہ سب مثالیں لپیچ کی رفاقتی معنی اور کروز کی استعمال کی حدود کی عملی صورتیں ہیں، اور ان سے ظاہر ہے کہ اردو کا ترادف قاموسی مطابقت سے آگے بڑھ کر محاورے اور لفظی رفاقت کی سطح پر جا ٹھہرتا ہے۔[۵]

اس دعوے کے خلاف جو سب سے مضبوط موقف اردو ہی کے اندر ملتا ہے اس سے مکالمہ ضروری ہے۔ فاروقی نے اردو لغت (تاریخی اصول پر) کے مرتبین کا یہ خیال نقل کیا ہے کہ زبان میں مرادفات کا وجود نہیں، بعض الفاظ میں معنی کے اجزا ضرور مشترک ہوتے ہیں لیکن دو ہم معنی الفاظ ممکن نہیں؛ اور اس پر ان کا تبصرہ یہ ہے کہ یہ ادبی تنقید کا ایک کارآمد اصول ہے مگر اس کا اطلاق لغت نگاری تو کجا، تنقید پر بھی مکمل طور پر نہیں ہوتا، اور وہ ای۔ ڈی۔ ہرش کی The Aims of Interpretation کا حوالہ دیتے ہیں جس میں بقول ان کے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ بعض حالات اور بعض مقاصد کے لیے دو عبارات بالکل متحد المفہوم ہوتی ہیں۔ فاروقی خود بھی بعض جگہ برابری کے قائل نظر آتے ہیں، مثلاً اسی لغت پر اعتراض کرتے ہوئے وہ ان دنوں اور آج کل کو، اور اس دور میں اور اس زمانے میں کو بالکل ہم معنی قرار دیتے ہیں۔ اس اختلاف کو پرکھنے کے لیے دو باتیں دیکھنی ہوں گی۔ اول یہ کہ فاروقی کا اعتراض ترادف کی مطلق نفی پر ہے، جبکہ ہمارا دعویٰ مطلق نفی کا نہیں بلکہ یہ ہے کہ غالب صورت نسبی ہے؛ کسی خاص مقصد اور سیاق میں دو عبارتوں کا متحد المفہوم ہونا اس دعوے کے منافی نہیں، کیونکہ لیونز کا معیار تمام سیاقات میں تبادل کی شرط پر قائم ہے۔ دوم یہ کہ فاروقی جن جوڑوں کو بالکل ہم معنی کہتے ہیں وہ الفاظ نہیں بلکہ فقرے ہیں اور ان کی برابری بھی انہی سیاقات کے لیے دعوے کی گئی ہے جن میں لغت نے انہیں درج کیا تھا؛ اس لیے یہ مثالیں مقامی ہم پلگی کی ہیں، کامل ترادف کی نہیں۔

شعر اور ترجمے میں ترادف

غالب کا ایک شعر اس مسئلے کو شعر کی سطح پر دکھاتا ہے۔ «ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے / بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے» میں خواہش اور ارمان دو الگ مصرعوں میں آئے ہیں۔ عام شروح میں ارمان کے معنی خواہش اور تمنا لکھ دیے جاتے ہیں، یعنی لغوی سطح پر دونوں کو ایک سمجھا جاتا ہے، مگر شاعر نے

دونوں کو دو مختلف نحوی کاموں پر لگایا ہے: پہلے مصرعے میں خواہش وہ موقع ہے جس پر دم نکلتا ہے، اور دوسرے میں ارمان وہ شے ہے جو خود نکلتی ہے۔ یہ میری اپنی قراءت ہے، اسے شعر کی تعبیر کا ایک امکان سمجھا جائے، کسی مسلّمہ فرق کا اعلان نہیں؛ مگر اتنی بات متن سے ظاہر ہے کہ شاعر نے دونوں الفاظ کو ایک ہی جملے میں ساتھ رکھنے کو ضروری سمجھا، جو بجائے خود اس کی دلیل ہے کہ وہ انہیں ایک دوسرے کی تکرار نہیں سمجھتا۔

ترجمے میں یہ مسئلہ اور نمایاں ہو جاتا ہے۔ یوجین اے۔ نائیڈا نے Toward a Science of Translating میں اور نائیڈا و ٹیبر نے The Theory and Practice of Translation میں لفظی مطابقت (Formal Equivalence) اور حرکی مطابقت (Dynamic Equivalence) کے فرق کی بنیاد اس پر رکھی کہ ترجمے میں لفظ کا لغوی متبادل تلاش کرنا کافی نہیں۔ راغب کے خشیت اور خوف کے فرق کو، اور اس پر رشید رضا کے اختلاف کو، اس بحث کی مثال کے طور پر رکھا جا سکتا ہے: کوئی بھی مترجم جو عربی کے ان دو الفاظ میں سے ایک کو ایک ہی اردو لفظ سے ادا کرتا ہے، وہ دراصل اس اجتہادی بحث میں ایک موقف اختیار کر لیتا ہے۔

نتائج

ان مباحث سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ اردو میں ترادف ایک حقیقی صورت ہے، اور اس کی غالب صورت نسبی ہے۔ عربی روایت نے، ابن جنی کی اصل کی طرف رجوع، ابن فارس اور ثعلب کی وضعی تفریق، عسکری کے حکمتِ واضع پر مبنی اصول، خطابی اور راغب کی استعمالی تمیز اور جرجانی کے نظم کی صورت میں، وہ تصورات فراہم کیے جن سے اردو کے مظاہر کو پرکھا جا سکتا ہے، اور جدید علمِ دلالت نے انہیں ایسی اصطلاحیں دیں جن میں یہ پرکھ منضبط ہو سکتی ہے۔ اردو تنقید و لغت نویسی، عبدالحق سے فاروقی تک، اس مسئلے کو عملی سطح پر برتتی رہی، اور اس نے دکھایا کہ مرادف اردو میں ایک ناگزیر قاموسی وسیلہ ہے مگر اسے برابری کا اعلان سمجھ لینا گمراہ کن ہے، جبکہ مطلق نفی، جیسا کہ فاروقی کا اعتراض بتاتا ہے، ہر مقصد کے لیے کافی نہیں۔ مقالے کے دائرے کی حد یہ ہے کہ اردو تنقید و لغت کا بیان زیادہ تر فاروقی کے ایک مضمون پر قائم ہے جس میں عبدالحق اور دوسرے لغت نگاروں کے اقتباسات بالواسطہ آئے ہیں، اس لیے انہیں اصل مآخذ سے ملانا مزید تحقیق کا حصہ ہے؛ اسی طرح اُلمن اور کروز کے بعض اقوال ثانوی مآخذ کے واسطے سے درج ہوئے ہیں۔ آئندہ تحقیق کے لیے یہ راستہ کھلا ہے کہ اردو کے کسی خاص شاعر یا عہد کے متون میں قریب المعنی الفاظ کے انتخاب کو انہی معیارات پر پرکھا جائے، اور آصفیہ، نور اللغات اور تاریخی اصول پر مرتب اردو لغت میں مترادفات کے اندراج کا مقابلہ کیا جائے۔

حوالہ جات

1. ابن جنی، ابوالفتح عثمان۔ الخصائص۔ باب: في تلاقي المعاني على اختلاف الأصول والمباني۔ ابن فارس، احمد بن فارس۔ الصاحبي في فقه اللغة۔ باب: الأسماء كيف تقع على المسميات۔ سیوطی، جلال الدین عبدالرحمن۔ المزهر في علوم اللغة وأنواعها۔ باب: معرفة المترادف۔

2. ابو ہلال عسکری، حسن بن عبداللہ۔ الفروق اللغوية۔ مقدمہ۔ خطابی، ابو سلیمان حمد بن محمد۔ بيان إعجاز القرآن، ضمن: ثلاث رسائل في إعجاز القرآن للرماني والخطابي وعبدالقاهر الجرجاني۔ راغب اصفہانی، حسین بن محمد۔ المفردات في غريب القرآن۔ مقدمہ اور مادہ: خشی۔ رشید رضا، محمد۔ تفسیر المنار، خشیت اور خوف کی بحث۔ عبدالقاہر جرجانی۔ دلائل الإعجاز، فصل: تمام القول في النظم وأنه توخي معاني النحو۔

3. Saussure, Ferdinand de. *Course in General Linguistics*. Translated by Wade Baskin. New York: McGraw-Hill, 1966. Part Two, ch. IV, §2.

4. Lyons, John. *Linguistic Semantics: An Introduction*. Cambridge: Cambridge University Press, 1995. Cruse, D. A. *Lexical Semantics*. Cambridge: Cambridge University Press, 1986. Leech, Geoffrey. *Semantics: The Study of Meaning*. 2nd ed. Harmondsworth: Penguin Books, 1981. Palmer, F. R. *Semantics*. 2nd ed. Cambridge: Cambridge University Press, 1981. Ullmann, Stephen. *The Principles of Semantics*. 2nd ed. 1957 (مقولہ ثانوی واسطے سے نقل)۔ کروز کا مقولہ (1986: 270): Edmonds, Philip, and Graeme Hirst. "Near-Synonymy and Lexical Choice." *Computational Linguistics* 28, no. 2 (2002) کے واسطے سے۔

5. فاروقی، شمس الرحمن۔ "اردو لغات اور لغت نگاری"۔ مشمولہ: تنقیدی افکار۔ متن ریختہ ڈاٹ آرگ پر دستیاب ہے: rekhta.org/ghazals/urdu-lughaat-aur-lughat-nigaari-shamsur-rahman-faruqi-articles (تاریخِ رسائی: 30 ستمبر 2026)۔ مولوی عبدالحق کا اقتباس اور ای۔ ڈی۔ ہرش (The Aims of Interpretation) کا حوالہ فاروقی کے واسطے سے نقل ہوا ہے؛ اصل مآخذ زیرِ مطالعہ نہیں آئے۔

6. Nida, Eugene A. *Toward a Science of Translating*. Leiden: E. J. Brill, 1964. Nida, Eugene A., and Charles R. Taber. *The Theory and Practice of Translation*. Leiden: E. J. Brill, 1969.